تفسیر سورۃ الانشراح

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ المتوفی سن 1421ھ
(سابق سنئیر رکن کبار علماء کمیٹی، سعودی عرب)
ترجمہ: طارق علی بروہی
مصدر: تفسیر العلامۃ محمد بن صالح العثیمین
پیشکش: توحیدِ خالص ڈاٹ کام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ، الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾(الانشراح:1-8)

(کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا، اور ہم نے تم پر سے تمہارا بوجھ اتار دیا، جس نے تمہاری کمر توڑ دی، اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا، پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے، بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے، پس جب تم (ایک کام سے) فارغ ہو جاؤ تو (دین و دنیا کے دوسرے کاموں میں) خوب محنت کرو، اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو)

بسم اللہ سے متعلق کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالی اپنے نعمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے جو اس نے اپنے نبی محمد ﷺ پر فرمائی ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا؟) اس استفہام کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ استفہام تقریر ہے، اور یہ استفہام تقریر قرآن مجید میں بہت استعمال ہوا ہے، اور یہ فعل یعنی فعل ماضی قد کے ساتھ مقدر ہوتا ہے۔ لہذا اللہ کے اس فرمان ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ میں یہ معنی مقدر مانا گیا ہے کہ "قد شرحنا لك صدرك"۔ کیونکہ اللہ تعالی نے یہ بات مقرر فرمائی ہے کہ بے شک اس نے آپ ﷺ کے لیے ان کا سینہ کھول دیا ہے۔ اور یہی حال ان تمام استفہام تقریر کا ہے جو قرآن مجید میں آپ کے سامنے آئیں کہ ان میں وہ فعل ماضی قد کے ساتھ مقدر مانا گیا ہوتا ہے۔

جہاں تک بات ہے کہ فعل ماضی کیوں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً یہ بات پوری ہو کر حاصل ہو چکی ہے۔ اور جو قد کے ساتھ

اسے جوڑا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحقیق کا فائدہ دیتا ہے جب فعل ماضی کے ساتھ آئے، اور قلّت کا فائدہ دیتا ہے اگر فعل مضارع کے ساتھ آئے اور کبھی اس کے ساتھ بھی تحقیق ہی کا فائدہ دیتا ہے، چناچہ لوگوں کہ ایسے کہنا کہ: "قد يجود البخيل" (بخیل بھی کبھی سخی ہو سکتا ہے) یہاں قد قلت کے معنی میں ہے (کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے)۔ لیکن اس فرمان الہی میں کہ:

﴿قَدۡ يَعۡلَمُ مَآ أَنتُمۡ عَلَيۡهِ﴾(النور:64)

(یقیناً وہ جانتا ہے جس حال پر تم ہو)

یہ تحقیق کے لیے ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

اللہ کا فرمان ﴿أَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ﴾ یعنی آپ کا سینہ وسیع کر دیا۔ اور یہ سینہ کھولنا معنوی طور پر ہے نا کہ حسی طور پر۔ اور شرح صدر (سینہ کھلنے) کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالی کے دونوں قسم کے احکام کے لیے وسیع ہو جائے، یعنی اللہ تعالی کا شرعی حکم جو کہ دین ہے، اور اللہ تعالی کا تقدیری حکم جو کہ وہ مصائب ہیں جن کا انسان کو سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت میں ہوائے نفس کی مخالفت ہے پس انسان اللہ کے اوامر کی تنفیذ کرتے ہوئے کچھ بھاری پن محسوس کرتا ہے، اور اللہ کی حرام کردہ باتوں سے بچنا بھی کچھ گراں گزرتا ہے، کیونکہ ظاہر ہے وہ ہوائے نفس کے خلاف ہوتے ہیں، جبکہ نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالی کے اوامر ونواہی کے لیے کھلنا نہیں چاہتا۔ آپ بعض لوگوں کو پائیں گے کہ نماز ان پر بھاری ہونے لگتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ﴾(النساء:142)

(اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں)

اور لوگوں میں سے بعض ایسے جن پر نماز بہت ہلکی ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اس کے مشتاق اور آرزومند رہتے ہیں اور اسے حاصل کرنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ"[1]

[1] اسے امام النسائی نے اپنی سنن 3940 میں روایت فرمایا ہے اور شیخ البانی نے صحیح النسائی 3950 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)۔

چناچہ اس شریعت میں نفس پر کچھ بوجھ تو ہے جیسے حرام چیزوں سے بچنا۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں حرام چیزوں کی بہت چاہت ہوتی ہے جیسے زنا اور شراب نوشی اور اس جیسی دیگر چیزیں لہذا ان پر یہ بوجھ محسوس ہوتا ہے، لیکن لوگوں میں ہی سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا سینہ اس سے بچنے پر کھل جاتا ہے تو وہ اللہ کی حرام کردہ چیز سے بچ جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھیں جب انہیں عزیز کی بیوی نے برائی کی دعوت دی اور اس سے پہلے وہ دروازے بھی بند کر چکی تھی اور کہا: آجا! اور ان کے لیے اپنا لباس و شکل و صورت بہت سجائی سنواری، اور وہ جگہ بھی ایسی تھی کہ کسی کی دخل اندازی سے محفوظ تھی، دروازے بھی بند، اور کہا کہ: آجاؤ! تو انہوں نے کہا: معاذ اللہ! اپنے رب سے پناہ طلب کی کیونکہ یہ نفس سے مقابلے کی شدید ترین حالت تھی، وہ نوجوان اور عزیز کی بیوی، اور مکان خالی اور محفوظ، اور ظاہر ہے انسان ایک بشر ہے ہو سکتا ہے کہ ایسے حالات میں اس کا نفس بہلا پھسلا کر کہے کہ کر ہی لو، اسی لیے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَٰنَ رَبِّهِۦ﴾(یوسف:24)

(اور اس عورت نے پوری ٹھان لی تھی اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے)

اور الصحیح میں نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لا ظِلَّ إِلا ظِلُّهُ: الإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ"[2]

(سات ایسے لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالی اس دن اپنا سایہ دے گا جس دن اس کے سایے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ عدل و انصاف کرنے والا امام (حکمران)، وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھا، ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد سے جڑا رہتا ہے، دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد بھی یہی ہے، وہ شخص جسے کسی منصب والی اور حسین عورت نے (برائی کی) دعوت دی لیکن اس نے کہہ دیا کہ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص

[2] صحیح بخاری 660، صحیح مسلم 1712۔

جس نے صدقہ کیا مگر اتنے پوشیدہ طور پر کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور (آخری) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو (بے ساختہ) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے)۔

اور اس میں سے شاہد آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

(وہ شخص جسے کسی منصب والی اور حسین عورت نے (برائی کی) دعوت دی لیکن اس نے کہہ دیا کہ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں)۔

لہذا شرعی حکم کے لیے شرح صدر ہونے کا مطلب ہے اللہ کے شرعی حکم کو قبول کر کے، اس سے رضا ہونا اور اس کی بجا آوری کرنا۔ اور یہ کہ کہنے والا کہے: "سمعنا وأطعنا" (ہم نے سنا اور اطاعت کی)۔ اور آپ کبھی اپنے ہی نفس میں پائیں گے کہ دل بہت ہشاش بشاش ہو گا عبادت کے لیے اور آپ اسے بہت سہولت و آسانی، انقیاد، اطمینان و رضامندی سے کر گزریں گے، لیکن کبھی آپ اس کے برعکس محسوس کریں گے اتنا کہ اگر گناہ کا خوف نہ ہوتا تو اسے کرتا ہی نہیں۔ پس جب یہ اختلاف ایک ہی شخص کے اندر پایا جا سکتا ہے تو پھر آپ بہت سے اشخاص کا کیا کہیں گے۔

اور جہاں تک اللہ تعالی کے تقدیری حکم کے بارے میں شرح صدر کا تعلق ہے تو ایک ایسا انسان جس کے سینے کو اللہ نے اپنے کائناتی حکم کے لیے کھولا ہو تو آپ اسے پائیں گے کہ وہ اللہ تعالی کی قضاء و قدر (تقدیر) سے راضی ہوتا ہے، اس پر مطمئن ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ: میں تو بندہ ہوں اور اللہ میرا رب ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا شخص جس کا یہ حال ہو تو وہ ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے نہ پریشان ہوتا ہے نہ غم کرتا ہے، درد تو اسے ہوتا ہے لیکن اس درجے تک نہیں پہنچتا کہ وہ پریشانی و غم کا روگ لگا لے۔ اسی لیے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ"[3]

(مومن کا معاملہ بھی کتنا عجیب ہے کہ اس کے تمام معاملات خیر ہی خیر ہیں، اور ایسا سوائے مومن کے کسی کے ساتھ ہوتا بھی نہیں، (اس طرح کہ) اگر اسے کوئی خوشی ملے تو وہ شکر کرتا ہے جو کہ اس کے لیے خیر ہے، اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے)۔

[3] صحیح مسلم 5322۔

پس شرح صدر کا مطلب ہے سینے کا وسیع اور آمادہ ہونا اللہ کے شرعی اور تقدیری احکام کے بارے میں کہ اس سے بالکل بھی سینہ تنگ نہ ہو۔ اور ہمارے نبی محمد ﷺ کو اس میں سے وافر مقدار نصیب ہوئی تھی، اسی لیے آپ پائیں گے کہ وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر متقی تھے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی اطاعت بجالانے والے تھے، ساتھ ہی سب سے بڑھ کر اللہ کی تقدیر پر صبر کرنے والے بھی تھے۔ لوگوں نے آخر کیا کچھ نہ کیا آپ ﷺ کے ساتھ جب آپ ﷺ نے دعوت دینا شروع کی؟ اور کیا کچھ امراض آپ ﷺ کو لاحق ہوئے؟ یہاں تک کہ ہمارے جیسے دو لوگوں کی طرح بخار ہوتا یعنی مرض دو لوگوں کے برابر شدید ہوتا۔ چناچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ پر داخل ہوا تو آپ کو بخار تھا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کو تو بہت شدید بخار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَجَلْ، إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ"[4]

(ہاں مجھے اتنا بخار آتا ہے جتنا تم میں سے دو کو آئے)۔

حتیٰ کہ نزع کے وقت موت کے قریب آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دار فانی کو چھوڑ گئے اس حال میں کہ آپ ﷺ تمام صبر کرنے والوں سے بڑھ کر صابر کرنے والے تھے۔ اور صبر ایک عالی درجہ ہے جسے پایا نہیں جاسکتا جب تک کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس پر صبر کرنا پڑے، جبکہ آسانی سے ٹھنڈی سے چیز پر کوئی صبر نہیں۔ اسی لیے ہم پاتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام تمام لوگوں سے بڑھ کر آزمائش میں مبتلا ہوئے، پھر صالحین پھر جو ان کے جیسے ہوں اسی اعتبار سے۔۔۔

فرمایا ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ کہنے والا کہہ سکتا ہے: ان دو جملوں میں تنافر ہے، کیونکہ پہلا والا تو فعل مضارع ہے ﴿نَشْرَحْ﴾ جبکہ دوسرا فعل ماضی ہے ﴿وَضَعْنَا﴾ لیکن اس مقرر بات کی وجہ سے جو میں نے ذکر کی تھی کہ ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ﴾ بمعنی قد شرحنا ہے، لہذا ووضعنا کا عطف اپنے ہی نظیر و مثیل ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ پر ہے۔ اور ﴿وَوَضَعْنَا﴾ کا معنی ہے ہم نے اسے اتار دیا، معاف و درگزر کیا تم سے ﴿وِزْرَكَ﴾ (تمہارا بوجھ) یعنی تمہاری کوئی تقصیر و کوتاہی۔

﴿الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ (جس نے تمہاری کمر توڑ دی) یعنی توڑ دی اور درد کا سبب بنا، کیونکہ کمر بوجھ اٹھانے کی جگہ ہوتی ہے، پس اگر ایسا بوجھ ہو جو کمر ہی کو تھکا دے تو اس کے علاوہ کو بالاولیٰ تھکا دے گا۔ کیونکہ بوجھ اٹھانے کے لیے آپ کے اعضاء

[4] صحیح بخاری 5660، صحیح مسلم 6559۔

میں سے سب سے قوی عضوء کمر ہی ہے۔ آپ اس فرق کو دیکھیں کہ اگر آپ اپنی کمر پر کسی بیگ کو اٹھاتے ہیں یا اسے سامنے اپنے ہاتھوں سے اٹھاتے ہیں تو ان دونوں میں واضح فرق نظر آئے گا۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کے بوجھ وخطاء سب بخش دیے یہاں تک کہ آپ بخشے بخشائے بن گئے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (الفتح:1-2)

(بے شک ہم نے تمہیں فتح دی، ایک کھلی فتح، تاکہ اللہ تعالی تمہارے لیے بخش دے تمہارے گناہوں میں سے جو ہوں اگلے اور پچھلے)

اور نبی ﷺ سے کہا گیا جبکہ آپ ﷺ راتوں کو طویل قیام فرماتے جن سے آپ ﷺ کے قدم مبارک تک سوجھ یا پھٹ جاتے: آپ ﷺ اتنی محنت کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا"[5]

(تو پھر کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں!)۔

لہذا اگلے پچھلے تمام گناہوں کی بخشش قرآن وسنت سے ثابت ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ لوگوں میں کوئی بھی نہیں کہ جس کا اگلا پچھلا سب معاف کر دیا گیا ہو سوائے رسول اللہ ﷺ کے، جبکہ جو ان کے علاوہ ہیں انہیں اپنے گناہوں سے توبہ کی ضرورت ہے۔ البتہ اللہ تعالی اسے بنا توبہ کے بھی کبھی معاف فرما دیتا ہے سوائے شرک کے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہم جزم ویقین سے کہتے ہیں کہ بلاشبہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ﴾ (اور ہم نے تم پر سے تمہارا بوجھ اتار دیا، جس نے تمہاری کمر توڑ دی)۔

اگر کہنے والا کہے: یہ آیت اور جو کچھ ہم نے دلائل ذکر کیے وہ تو دلیل بنتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی گناہ ہوتے ہیں، پس کیا واقعی رسول اللہ ﷺ سے بھی گناہ ہوتے ہیں؟ جواب: جی ہاں، ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم نصوص کا محض اس وجہ سے انکار کر دیں کہ ہماری عقل میں آپ ﷺ سے گناہ کا سرزدہ ہونا بہت بعید اور محال بات تصور ہو، کیونکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ایک انسان کی اصل شان یہ تو نہیں ہے کہ وہ گناہ ہی نہ کرے بلکہ اصل شان تو یہ ہے کہ انسان کی بخشش ہو جائے، یہ بات زیادہ اہم کہ اس

[5] صحیح بخاری 6471، صحیح مسلم 2819۔

کی مغفرت ہو جائے، جبکہ یہ بات کہ اس سے گناہ ہی نہ ہوں (تو وہ انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ)! رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا:

"كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ"[6]

(ہر بنی آدم خطاء کار ہے، اور بہترین خطاء کار وہ ہیں جو توبہ کرتے رہتے ہیں)۔

خطاء ہو جانے سے تو کوئی مفر نہیں البتہ بعض ایسی چیزیں ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام سے سرزد نہیں ہو سکتیں جیسے جھوٹ وخیانت، کیونکہ ان کا ان ہستیوں سے سرزد ہونا مطلق طور پر ناممکن ہے، کیونکہ بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ ان سے اس کا وقوع ہوا تو یہ ان کی رسالت ہی پر طعن بن جائے گا حالانکہ یہ بات تو محال ہے۔ اسی طرح سے جو اخلاقی پستی ہوتی ہے جیسے زنا اور اس جیسی چیزیں یہ بھی ناممکن ہے، کیونکہ یہ رسالت کی اصل کے ہی خلاف ہیں۔ رسالت تو آتی ہے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاقِ"[7]

(مجھے تمام مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے محمد رسول اللہ ﷺ پر سے ان کا بوجھ اتار دیا، اور وضاحت فرمائی کہ اس بوجھ نے ان کی کمر توڑ رکھی یعنی تھکا رکھی تھی۔ جب ایسا بوجھ رسول اللہ ﷺ کا ہو تو پھر ان کے علاوہ لوگوں کے بوجھوں کا کیا حال ہو گا! ہمارے بوجھوں نے تو ہمارے کمریں توڑ پھوڑ کر تھکا رکھی ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے گویا کہ ہم کوئی بوجھ اٹھانے کے قابل ہی نہ ہوں، جس کی وجہ ہمارا کمزور ایمان وبصیرت اور غفلت کی کثرت ہے۔ اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اپنے عفوودرگزر کا معاملہ فرمائے۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ:

"مومن جب گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے گویا سر پر پڑا ایک بہت بڑا پہاڑ ہوتا ہے، جبکہ منافق جب گناہ کرتا ہے تو اس کے نزدیک گویا بس ایک مکھی تھی جو اس کے ناک پر بیٹھی اور اس نے یوں کر کے اڑادی"۔

یعنی اسے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی جبکہ مومن کو اپنی غلطیوں کی بہت زیادہ فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اس کے غم وقلق میں رہتا

---

[6] الترمذي صفة القيامة والرقائق والورع 2499, إبن ماجه الزهد 4251, أحمد 198/3, الدارمي برقم 2727 كلهم من حديث أنس.

[7] مسند الشهاب 1165، سلسلة الصحيحة 45 ـ

ہے یہاں تک کہ اس سے توبہ واستغفار کے ذریعے خلاصی حاصل ہو، یا پھر بڑی بڑی نیکیاں ہوں جو ان گناہوں کے نام ونشان کو مٹادیں۔ آپ اگر اپنے دل میں اپنے گناہوں سے غفلت محسوس کریں تو جان لیں کہ آپ کا دل مریض ہے، کیونکہ بے شک جو دل زندہ ہوتا ہے ممکن نہیں کہ وہ مرض سے راضی ہو جائے، اور دل کے مرض تو گناہ ہوتے ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

رأيت الذنوب تميت القلوب وقد يورث الذل إدمانها

وترك الذنوب حياة القلوب وخير لنفسك عصيانها

پس واجب ہے کہ ہم اپنے نفس کی جانچ پڑتال اور محاسبہ کرتے رہیں۔ جب تاجروں کا یہ حال ہوتا ہے کہ انہیں اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک اپنے آفس کی فائلیں سب چیک نہ کرلیں، کیا خرچ ہوا، کیا صرف کیا اور کیا کمایا۔ تو پھر آخرت کے تاجروں کو بھی چاہیے کہ وہ ان سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اہتمام کریں، کیونکہ ان کی تجارت تو بہت عظیم ہے۔ کیونکہ دنیا والوں کی تجارت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اگر ہو بھی تو یہی کہ بدن کو سہولیات و آسائشیں میسر ہوں گے فقط، حالانکہ اس تجارت میں جو ہم و غم و مشقتیں ہیں وہ سب کو معلوم ہی ہیں، اگر کوئی پراڈکٹ فیل ہو جائے تو اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اسی طرح اگر ان کے ملک میں خطرات ہیں جیسے چور لٹیرے وغیرہ تو اس کی پریشانی و قلق میں مزید شدت سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن آخرت کی تجارت اس کے برعکس ہے، فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ، تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (الصف:10-12)

(اے ایمان والو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو، وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اور رہنے کی پاکیزہ جگہوں میں، جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے)

عذاب سے نجات اور اس کے ذریعے اللہ تعالی گناہوں کو بخشتا اور جنتوں میں داخل کرتا ہے، ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ یعنی ہمیشگی کی جنت، اور ﴿وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ یعنی پاکیزہ رہنے کی جگہیں اپنی بنیاد میں بھی اور جس چیز سے وہ بنی ہیں اس

میں بھی پاکیزہ ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا"[8]

(دو جنتیں (باغ) ہوں گے جن کے برتن اور تمام دوسری چیزیں چاندی کی ہوں گی، اور دو دوسری جنتیں ہوں گے جن کے برتن اور تمام دوسری چیزیں سونے کی ہوں گے)۔

اللہ کی قسم! اگر انسان بالغ ہونے کے بعد سے لے کر مرتے دم تک بس سجدے ہی میں پڑا رہے پھر بھی وہ اس عظیم غنیمت کے سامنے بہت تھوڑی قیمت ہو گی۔ اگر انسان کو کچھ بھی نہ ملے بس آگ سے ہی بچ جائے تو یہ تک اس کے لیے کافی ہو۔ کبھی انسان ایسا سوچنے لگتا ہے کہ: کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا! یا کاش میں آگ سے بچ جاؤ تو یہی میرے لیے کافی ہے! عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لیں، فرماتے ہیں:

"کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کاش میری ماں مجھے جنتی ہی نہ"۔

کیونکہ انسان کبھی گمان کرتا ہے کہ وہ ایمان لایا ہے اور نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، صدقہ خیرات کرتا ہے، حج کرتا ہے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اس جیسے دوسرے نیکی کے کام کرتا ہے، لیکن ان کے دل میں کچھ حقد و عداوت ہوتی ہے جو انہیں سوء خاتمے کی طرف لے جاتی ہے العیاذ باللہ۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى لَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ"[9]

(بے شک تم میں سے ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے)۔

یعنی اس کی موت کی مدت بہت قریب ہوتی ہے کہ بس عمل میں ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، مگر چونکہ اس کے سب اعمال ریت کی ذروں کی طرح اڑ جانے والے تھے (اسی لیے دوسری روایت میں ہے کہ) وہ جنتیوں والے عمل کرتا ہے بظاہر لوگوں

---

[8] صحیح بخاری 4878، صحیح مسلم 448۔

[9] رواه البخاري في كتاب القدر، باب في القدر، برقم (6594)، ومسلم في كتاب القدر، باب كيفية الخلق الآدمي في بطن أمه وكتابة رزقه وأجلهوعمله وشقاوته وسعادته، برقم (2643)۔

کی نظروں میں حالانکہ دراصل وہ جہنمیوں مین سے ہوتا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے، لیکن یہ فرمانا کہ:

"حَتَّى لَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ"

(یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے)۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اعمال اسے جنت کے اتنے قریب تک لے گئے تھے بلکہ اس کا معنی ہے کہ اس کی زندگی کی بہت کم مدت رہ گئی تو:

"فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلَهَا"

(پس وہ جہنمیوں والے عمل کرنے لگتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے)۔

لیکن یہ تب ہوگا جب انسان کا عمل لوگوں کے لیے ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ"[10]

(بے شک آدمی لوگوں کی نظر میں جنتیوں کے سے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے)۔

ایک انسان کا گزر جب اس قسم کے نصوص سے ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس کے بارے میں ڈرتا ہے، ریاء کاری سے، اترانے سے، ذلیل ورسواء ہونے سے۔

فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾

(اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا)

اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا جس میں کسی کو شک نہیں۔

پہلی بات: کیونکہ ہر نماز کے لیے اعلیٰ مکان سے یعنی اذان میں آپ ﷺ کا ذکر بلند ہوتا ہے: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمد رسول الله۔

[10] صحیح مسلم 6741۔

دوسری بات: ہر نماز میں آپ ﷺ کا ذکر بلند کرنا فرض ہے تشہد میں، کیونکہ تشہد فرض ہے اور اسی میں: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله بھی ہے۔

تیسری بات: آپ ﷺ کا ذکر ہر عبادت میں بلند ہوتا ہے، ہر عبادت میں ذکرِ رسول ﷺ بلند ہوتا ہے۔اس طرح سے کہ ہر عبادت میں دو اساسی شرطوں کا پایا جانا لازمی ہے، اور وہ ہیں: اللہ تعالی کے لیے اخلاص اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت۔ لہذا یہ بات معلوم ہے کہ رسول ﷺ کی اتباع کرنے والے کے دل میں عبادت کرتے وقت یہ خیال موجود ہوتا ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر رہا ہے، تو یہ بھی آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کی ایک صورت ہے۔

پھر اللہ تعالی کا یہ فرمان:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

(پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے، بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے)

یہ اللہ تعالی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور ساری امت کے لیے ایک بشارت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو مشکلات اور تنگی کا سامنا کرنا پڑا جب آپ ﷺ مکہ میں تھے اور طائف میں بھی، اسی طرح سے مدینہ میں بھی منافقین کی طرف سے، تو اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ یعنی جس طرح ہم نے تمہارا سینہ کھولا، تم پر سے تمہارا بوجھ اتار دیا، اور تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا، اور یہ سب عظیم نعمتیں ہیں، تو اسی طرح سے یہ جو مشکلات تمہیں لاحق ہو رہی ہیں ضروری ہے کہ ان کے بعد آسانی آئے، کیونکہ: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ"[11]

(کبھی بھی مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی)۔

[11] اس روایت پر تفصیلی کلام کے لیے پڑھیں "المقاصد الحسنة فيما اشتهر على الألسنة" از امام سخاوی رحمہ اللہ تحت رقم الحدیث 836۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

اور آپ رحمہ اللہ کے کلام کی یہ وضاحت ہے کہ:

اگرچہ مشکل کا ذکر دوبار آیا ہے اور آسانی کا بھی، لیکن اہل بلاغہ کہتے ہیں: آپ کے کلام کی توجیہہ یہ ہے کہ مشکل کا ذکر دراصل صرف ایک مرتبہ آیا ہے ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ پہلی مشکل ﴿الْعُسْرِ﴾ کو ہی دوبارہ سے "ال" کے ساتھ دوہرایا گیا ہے۔ یہاں جو "ال" ہے وہ عہد ذکری کے لیے ہے۔ جبکہ جو ﴿يُسْرًا﴾ ہے تو وہ معرفہ نہیں بلکہ نکرہ آیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ: اگر کوئی اسم معرفہ کے صیغے کے ساتھ دو مرتبہ مکرر آئے تو دوسرا والا وہی پہلے کی دوہرائی ہوتی ہے الا شاذ و نادر کبھی اس سے ہٹ کر آجاتا ہے۔ اور اگر کوئی اسم نکرہ کے صیغے کے ساتھ دو مرتبہ مکرر آئے تو دوسرا والا پہلے سے الگ ہوتا ہے، کیونکہ دوسرا بھی نکرہ ہے جو کہ پہلے سے ہٹ کر ہے۔ لہذا ان دو آیات کریمہ میں دو آسانیاں ہیں اور مشکل ایک ہے۔ کیونکہ مشکل کو معرفہ کے صیغے کے ساتھ دو مرتبہ مکرر ذکر کیا گیا ہے ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ اور یہ کلام اللہ تعالی کی طرف سے خبر ہے، اور اللہ کی خبر سچائی کے اعتبار سے سب سے کامل ترین خبر ہوتی ہے، اور اس کے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ لہذا جب کبھی بھی آپ پر معاملہ مشکل و دشوار ہو جائے تو پھر آسانی کا انتظار کریں۔

جو شرعی امور ہیں ان میں تو یہ بات بالکل ظاہر ہے جیسے نماز ہے، اسے کھڑے ہو کر پڑھیں، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھیں، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹے لیٹے پڑھیں، تو یہ آسانیاں ہیں۔ اگر آپ پر قیام کرنا شاق ہے تو بیٹھ جائیں، اگر آپ پر بیٹھنا بھی دشوار ہے تو کروٹ پر لیٹے نماز پڑھ لیں۔ اسی طرح روزہ ہے اگر آپ مقیم ہیں اور طاقت رکھتے ہیں تو روزہ رکھیں، اگر طاقت نہیں رکھتے تو چھوڑ دیں، اگر آپ مسافر ہیں تو چھوڑ دیں۔ اور حج کو دیکھیں اگر اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتے ہیں تو حج کریں، اگر نہیں رکھتے تو آپ پر حج فرض نہیں ہے۔ بلکہ اگر آپ حج شروع بھی کر دیں پھر روک دیے جائیں تو احرام سے آزاد ہو جائیں، حج کو منسوخ کر دیں اور قربانی کریں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرۃ:196)

(اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو))

ہر مشکل جو انسان کو عبادت میں درپیش ہوتی ہے تو وہ بالآخر اس میں سہولت اور آسانی پاتا ہے۔

اسی طرح سے قضاء و قدر کا معاملہ ہے یعنی انسان کے بارے میں اللہ تعالی کی تقدیر جیسے مصائب، تنگ دستی، سینے کی گھٹن و تنگی وغیرہ ہوں تو انسان مایوس نہ ہو، بلکہ یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اور آسانی کبھی ظاہری حسی طور پر ہوتی ہے جیسے انسان فقیر غریب تھا تو اس کے معاملات تنگ چل رہے تھے پھر اللہ تعالی نے اس کے لیے فراخی پیدا فرما کر غنی کر دیا۔ دوسری مثال:

ایک مریض انسان جو تھک جاتا ہے اور مرض اسے مشقت تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تو اللہ عزوجل اسے شفاء نصیب فرماتا ہے، یہ بھی حسی آسانی کی مثال تھی۔

اور ایک معنوی آسانی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالی کا انسان کی مدد فرمانا کہ وہ صبر کر پائے تو یہ بھی آسانی ہے۔ اگر اللہ تعالی صبر کرنے میں آپ کی مدد فرماتا ہے تو گویا کہ اس نے ایک مشکل کو آپ کے لیے آسان فرمادیا اور یہ معاملہ آسان ہو گیا جو کہ اگر کسی پہاڑ پر بھی اتارا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن اللہ تعالی کا آپ کی مدد کرتے ہوئے اس پر صبر کی توفیق دے دینے سے یہ معاملہ آسان ہو گا۔

آسانی کا محض یہ معنی نہیں ہوتا کہ وہ چیز مکمل طریقے سے ٹل گئی اور خلاصی مل گئی، بلکہ کرب وتکلیف کا دور ہونا زائل ہونا یہ تو حسی آسانی ہے اور اللہ تعالی کا صبر پر انسان کی مدد فرمانا تاکہ یہ شدید مشکل معاملہ اس کے لیے سہل ہو جائے (یہ بھی بڑی آسانی ہے)۔ ہم یہی کہتے ہیں کیونکہ ہمیں اللہ تعالی کے وعدے پر پورا اعتماد ہے۔

فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾

(پس جب تم (ایک کام سے) فارغ ہو جاؤ تو (دین و دنیا کے دوسرے کاموں میں) خوب محنت کرو، اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو)

یعنی جب تم اپنے اعمال سے فارغ ہو جاؤ تو ایک دوسرے کام کے لیے کمر کس لو، مطلب دوسرے کام میں خود کو تھکاؤ۔ دنیا کو اپنے ضائع ہونے کا سبب نہ بناؤ۔ اسی لیے ایک عقل مند انسان سرگرم و چوکس زندگی بسر کرتا ہے۔ جب کبھی بھی کسی کام سے فارغ ہوتا ہے تو دوسرا کام شروع کر دیتا ہے، اور اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ کیونکہ زمانہ و وقت تو انسان پر سے گزر ہی جانا ہے خواہ جاگ کر گزارے یا سو کر، مشغول رہ کر گزارے یا فارغ بیٹھ کر، وہ چلتا رہے گا کسی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زمانے کو روک دے۔ اگر ساری کی ساری مخلوق بھی جمع ہو جائے کہ وہ سورج کو روک لیں تاکہ دن طویل ہو جائے تو نہیں کر سکتے، چنانچہ زمانے کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ لہذا اپنی زندگی کو سنجیدہ و کارآمد زندگی بنائیں، جب کبھی کسی کام سے فارغ ہوں تو دوسرے کام میں مگن ہو جائیں۔ اگر دنیا کے کام سے فارغ ہو جائیں تو آخرت کے کام میں لگ جائیں، اور آخرت کے کام سے فارغ ہو جائیں تو دنیا کے کام میں مشغول ہو جائیں۔

(جیسا کہ قرآن میں ہے) جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، تو نماز جمعہ کو آگے

پیچھے سے دو دنیاوی کاموں نے گھیر اہوا ہے، فرمایا:

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ﴾

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے)

یعنی جب تم اپنی دنیا میں مشغول ہو۔۔۔

﴿فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَيۡعَ‌ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‏، فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعہ: 9-10)

(تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو، پھر جب نماز ادا کرلی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو)

تو دیکھیں یہاں جب ہم ایک کام سے فارغ ہوئے تو دوسرے کام میں لگ گئے، پھر جب اس سے بھی فارغ ہوئے تو کسی اور کام میں لگ گئے اور اسی طرح انسان کو ہمیشہ سرگرم عمل رہنا چاہیے۔

اگر کہنے والا کہے کہ: اگر میں ساری زندگی اسی طرح کاموں میں ہی لگا رہوں گا تو تھکان اور بوریت کا شکار ہو جاؤں گا۔

ہم کہیں گے کہ: آپ کا آرام کرنا تاکہ نفس چاک و چوبند ہو جائے اور واپس سے نشاط و سرگرم ہو جائے خود ایک کام اور عمل ہے یعنی کام کا مطلب ضروری نہیں کہ کوئی حرکت ہی ہو بلکہ آپ کا کچھ آرام کرنا تاکہ دوسرے کام کے لیے تیار ہو جائیں خود ایک عمل شمار کیا جائے گا۔ بہر حال آپ اپنی پوری زندگی کو عمل میں اور سرگرمی میں رکھیں۔

فرمایا:

﴿وَاِلٰى رَبِّكَ فَارۡغَبْ﴾

(اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو)

یعنی جب آپ وہ اعمال کرلیں جن سے فارغ ہوگئے ہوں اور دوسرے میں لگ گئے ہوں، تو اللہ عزوجل کی جانب حصول اجر و ثواب و مدد و اعانت کے لیے رغبت کریں، پس اللہ کے ساتھ رہیں عمل سے پہلے بھی اور عمل کے بعد بھی۔ عمل سے پہلے اللہ

کے ساتھ رہیں اس سے مدد واستعانت طلب کرتے ہوئے اور عمل کے بعد اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے۔ اور اس فرمان میں کہ ﴿وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ بلاغت کا فائدہ یہ ہے کہ ﴿وَإِلَىٰ رَبِّكَ﴾ (اپنے رب کی طرف) اعراب کے اعتبار سے متعلق ہے ﴿ارْغَبْ﴾ کے اور یہ اس سے پہلے آیا ہے، اور معمول کو مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی اپنے تمام امور میں صرف اللہ کی طرف نہ کہ کسی غیر کی طرف رغبت کرو۔ مکمل اعتماد رکھو کہ جب تم نے اپنی رغبت بس اللہ تعالی کے ساتھ باندھ دی ہے تو یقیناً وہ عنقریب تمہارے معاملات آسان فرمادے گا۔

بہت سے لوگوں میں یہ حال کہ ہمیشہ اللہ تعالی کی جانب راغب رہیں کوتاہی کا شکار ہوتا ہے یعنی اس میں نقص رہتا ہے، تو آپ ان کو پائیں گے کہ وہ اپنے بہت سے کاموں میں خلل کا شکار ہوں گے، کیونکہ ان کاموں میں ان کے اور اللہ تعالی کے درمیان وہ صلہ ورابطہ نہیں۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں اس کے اوامر کی بجاآوری کرنے والا اور اس کی خبروں کی تصدیق کرنے والا بنادے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تصدیق نامہ

مندرجہ بالا مواد توحیدِ خالص ڈاٹ کام کی جانب سے نظر ثانی کیا گیا ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کتاب و سنت اور فہم سلف صالحین کے مخالف کوئی بات مندرج نہیں۔ آپ اگر ٹائپنگ وغیرہ میں کوئی بھی غلطی محسوس کریں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ اسی طرح سے اگر ترجمے میں کسی بھی قسم کی غلطی، تضاد، نقص یا ابہام پائیں، یا پھر اصل عربی متن کے مقتضی کے خلاف کوئی اور معنی و مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہو، یا پھر تیار کردہ مواد میں کوئی بھی بات قرآن و سنت اور فہم سلف صالحین کے خلاف ہو تو ضرور ہمیں مطلع فرمائیں

info@tawheedekhaalis.com اور براہ مہربانی غلطی کی نشاندہی مکمل حوالے کے ساتھ کی جائے تاکہ فوری اصلاح ممکن ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم میں سے کوئی آپ کے دینی مسائل کا جواب یا فتوی دینے کا مجاز نہیں بلکہ اس سلسلے میں علماء کرام سے براہ راست رابطہ کیا جائے۔ البتہ اگر آپ کے پاس کوئی مفید تجاویز ہوں تو ہم اس پر ضرور غور کریں گے۔